© rasailojaraid.com



شاہ اکرام حسین سیکری

# مولانا غلام محمد گرامی

## تاریخ سندھ کی ایک دل چسپ علمی شخصیت

۱۶ ستمبر ۱۹۷۶ء کی صبح کو ریڈیو سے سُنا اور پھر سندھی اور اردو اخبارات سے معلوم ہُوا کہ گزشتہ کل مولانا گرامی حرکت قلب بند ہونے سے رحلت فرماگئے۔

اِنّا لِلّٰہ واِنّا الیہ راجعون

میں نے اسی وقت ایک تعزیتی خط ان کی اہلیہ محترمہ کے لکھ کر ڈاک سے روانہ کیا۔ جو یہ ہے :-

۱۶ ستمبر ۱۹۷۶ء

محترمہ !

مجھے اپنے کرم فرما جناب مولانا غلام محمد صاحب گرامی کی اچانک وفات کی خبر سُن کر بہت صدمہ ہوا ہے۔ میں اس شدید غم میں آپ کے ساتھ شریک ہوں۔

دُعا ہے کہ خداوند کریم مرحوم کو غریق رحمت فرمائے اور آپ صبر جمیل عطا کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرے نزدیک ان کی موت آپ کے لیے، آپ کے خاندان کے لیے صوبہ سندھ کے لیے اور پاکستان کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ ان کی موت سے سندھ بلکہ پاکستان کی علمی دنیا کو سخت نقصان پہنچا ہے۔

مخلص۔ حکیم سیّد اکرام حُسین سیکری

اُسی وقت مندرجہ ذیل چند اشعار بھی لکھے گئے۔

پہونچی ہے خبر یہ ریڈیو سے — رخصت ہوئے مولوی گرامی
وہ چل دیئے اس جہاں سے افسوس — مشہور تھا جن کا نام نامی
شاعر تھے وہ اک بہت ہی خوش گو — وہ ایک ادیب تھے عوامی
آزاد خیال تھے سراپا، — ہر اک کے نہیں تھے وہ سلامی
سندھی میں نوشتہ ان کی نعتیں، — رکھتی ہیں بہت سی رنگِ جامی
پرلطف اک علمی شخصیت تھے — اس عہد میں مولوی گرامی
افسوس چلے گئے اس جہاں سے — اس دور کے اک ادیب نامی

محترم مولانا گرامی صاحب سندھ کی ادبی تاریخ کا ایک دلچسپ باب تھے۔ انھوں نے سندھی ادب میں گراں قدر اضافہ فرمایا وہ بہت ہی دل چسپ شخصیت کے مالک تھے۔ میرے اور ان کے تعلقات صرف چند ملاقاتوں تک محدود ہیں۔ یہ مضمون ان ہی ملاقاتوں کے چند واقعات اور تاثرات پر مشتمل ہے۔

میں عرصہ سے ان کا نام سن رہا تھا۔ صرف یہی غائبانہ تعارف تھا کبھی اس سے پہلے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا۔ ایک دن صبح حسب معمول اپنے دواخانہ میں پہنچا تو دیکھا کہ مولانا موصوف اپنے ساتھ جناب پربھو ناشاد صاحب کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ ناشاد صاحب نے ان کا مجھ سے تعارف کرایا۔ مولانا بڑی محبت اور خلوص کے انداز میں پہلی بار مجھ سے ملے۔ سلام اور مزاج پرسی کے بعد انھوں نے فرمایا: "میں نے بہت سے لوگوں سے آپ کا ذکر سنا تھا الحمدللہ کہ آج ملاقات بھی ہوگئی"۔ میں نے عرض کیا: "میرا بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی حال تھا اکثر آپ کا ذکر ہوا مگر بدقسمتی سے نیاز مندی کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا، شکر ہے کہ آج یہ منزل بھی زیرِ پا ہے۔

جہاں تک مجھے یاد آتا ہے ۱۹۷۵ء کے آغاز میں یہ پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ اس زمانے میں ان کو کھانا کم ہضم ہونے کی شکایت تھی اور اس شکایت کے متعلقہ عوارض میں مبتلا تھے، اس مرض کے علاج کے سلسلے میں وہ تشریف لاتے تھے۔

چنانچہ انھوں نے اپنی تکلیف کا حال سنایا۔ میں نے نبض دیکھی، نسخہ لکھا اور دواخانے سے دوائیں پیش کر دیں۔ چند روز یہ علاج جاری رہا۔ تاشاد صاحب ان کی دوائیں لے کر جایا کرتے تھے اور وہی حالات سے آگاہ کیا کرتے تھے۔ فائدے کی رفتار زیادہ تسلی بخش نہیں تھی اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ پرہیز ٹھیک نہیں ہو رہا ہے۔

دوسری بار جب مولانا تشریف لائے تو میں نے پوچھا پرہیز کا کیا حال ہے؟ فرمایا کرتا تو ہوں مگر اس کے خلاف بھی ہوتا رہتا ہے۔ میں نے سمجھ لیا کہ فائدہ ہونا مشکل ہے تاہم چند روز علاج جاری رہا جس قدر فائدہ ہوگیا اسی کو غنیمت جان کر انھوں نے خود ہی اپنی دوسری مصروفیتوں کے باعث علاج بند کر دیا۔

ملاقاتوں کے درمیان اکثر ان سے مذہبی، علمی اور تاریخی موضوعات پر گفتگو ہوا کرتی تھی۔ سندھ کی تاریخ کی نسبت ان کی معلومات بہت اچھی تھیں۔ مذہبی اعتبار سے وہ ایک آزاد خیال انسان تھے۔ اسلامی تاریخ کے بہت سے مسلمات میں وہ تقلیدی ذہن نہیں رکھتے تھے۔

موصوف نے از راہِ کرم ان ملاقاتوں کے دوران چند کتابیں بھی بطور تحفہ عطا فرمائیں جو اب میرے کتب خانے کی زینت ہیں۔

ایک دن وہ ملاقات کے لیے تشریف لائے تو اپنے ساتھ طبع شدہ ایک نہایت ہی خوبصورت کتاب میرے لیے بطور تحفہ لائے۔ سندھی زبان میں یہ کتاب جناب میر سکندر خاں صاحب[1]

---

[1] اسی کتاب کو دیکھ کر راقم الحروف نے مولانا غلام مصطفیٰ صاحب قاسمی کی معیت میں جناب میر سکندر خاں صاحب کھوسہ سے ملاقات کی تھی وہ بڑی خوبیوں کے انسان تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھوسہ کا مجموعۂ کلام تھا۔ اپنے دستخط کے ساتھ یہ نسخہ بڑی محبت کے ساتھ عطا فرمایا۔ اس پر انھوں نے صوفیانہ رنگ میں ایک عمدہ مقدمہ سندھی زبان میں تحریر فرمایا تھا۔ ناشاد صاحب سے انھوں نے فرمایا کہ سندھی کی عبارت پڑھو وہ ایک جملہ پڑھتے تھے اور رُک جاتے تھے پھر مولانا اس کا اُردو ترجمہ کرکے سناتے جاتے تھے۔ ازراہِ کرم انھوں نے اس مقدمے کا پورا ترجمہ مجھے سنایا اور میری رائے معلوم فرمائی۔ جب میں نے اس صوفیانہ انداز فکر کی ندرت کی داد دی تو بہت خوش ہوئے۔ یہ ملاقات تقریباً ڈیڑھ گھنٹے جاری رہی۔

اسی ملاقات کے دوران انھوں نے فرمایا کسی روز جلد ہی میرے مکان پر آیئے، اہلِ خانہ کی نبض دکھلانی ہے۔ چنانچہ اسی ہفتے میں ایک روز میں صبح کے وقت ان کی قیام گاہ واقع گاڑی کھاتہ میں پہنچا۔ ایک مختصر سا مکان ہے۔ جس میں جدید دور کی آرام اور آسائش کی سہولت تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایک کمرے میں جس میں وہ خود رہتے تھے دیواروں کے ساتھ صحن سے لے کر چھت تک ان کی کتابیں چنی ہوئی تھیں جیسے کتابوں کی دیوار بنادی ہو۔ اس کے سامنے ایک مختصر سا صحن تھا۔ قریب ہی دوسرا کمرہ تھا اس میں ان کی اہلیہ اور صاجزادی رہتی تھیں۔ میں یہ پہلا موقع تھا کہ میں ان کے مکان پر گیا تھا اور اس کے بعد دوسری بار جانا نہیں ہوا۔ اس لیے آخری موقع بھی تھا۔ موصوف نے پہلے اپنے کمرے میں چائے اور دیگر اشیاء سے میری تواضع فرمائی۔ پھر اہلِ خانہ کی نبض دکھلائی اس سے فارغ ہوکر ہم دونوں ان کے کمرے میں آکر بیٹھ گئے۔ دورانِ گفتگو مولوی محمود احمد عباسی کی کتابوں کا ذکر ہوا۔ انھوں نے اس سلسلے میں اپنے خیالات کا بلا تامل دوٹوک الفاظ میں اظہار کیا اور کہا: "میں امیرِ شام کو نہیں مانتا نہ اس کے ساتھیوں کو مانتا ہوں تاریخ میں اس کے لیے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس کے حواریوں کا تیار کردہ یکطرفہ افسانہ ہے حضرت علیؓ مظلوم تھے ان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے بہرحال غلط ہے۔ خواہ اس کی تاویلیں کچھ بھی جائیں۔"

اس ملاقات میں قادیانیوں کا ذکر بھی ہوا۔ انھوں نے فرمایا "ہم نے سندھ میں مرزا کی تردید میں بہت کام کیا ہے۔ ہم عصر علماء میں چند کو چھوڑ کر باقی سب مرزا کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ تو پورے طور پر سمجھ سکے اور نہ اس کا بھرپور تعاقب کر سکے۔ یہی وجہ تھی کہ مرزا کا دائرہ اثر پھیلتا چلا گیا تھا۔"

مولانا موصوف سندھ کی علمی تاریخ کا ایک شاندار باب تھے جو ان کی موت کے ساتھ تکمیل کو پہنچ گیا۔ انھوں نے سندھی ادب کو بہت کچھ دیا ہے ان کی پوری زندگی علم و ادب کی خدمت میں بسر ہوئی ہے۔

وہ بیک وقت محقق بھی تھے اور ادیب بھی، شاعر بھی تھے اور صحافی بھی۔ ان کی نگارشاتِ عالیہ سندھی ادب کا بیش قیمت ذخیرہ ہیں۔ بلاشبہ ان کی وفات سندھ کا عظیم علمی نقصان ہے۔

ضرورت ہے کہ موصوف کی سیرت اور علمی کاموں پر ایک جامع کتاب لکھی جائے اور جلد طبع کرائی جائے اور سندھی اور اردو اخبارات اور رسائل گرامی نمبر شائع کریں۔ ان کے احباب سے ان کی سیرت کے متعلق مختلف پہلوؤں پر مضامین لکھوا کر طبع کرائیں تاکہ مستقبل کے مؤرخ کے لیے ان کی سیرت پر کام کرنے کے لیے ایک عُمدہ ذخیرہ فراہم ہو جائے۔

مولانا صاحب پر علمی کام کرنے والے سندھی اور اردو کے ادیبوں سے میری درخواست ہے، کہ وہ سب مولانا پر فی الفور کام کا آغاز فرمائیں۔ ان کی وفات پر آئے ہوئے مشاہیر کے پیغامات، اخبارات کے تراشے اور مختصر حالات زندگی پر مشتمل ایک مختصر مجموعہ جلد شائع ہونا چاہیے۔

سندھ گورنمنٹ سے میری درخواست ہے کہ وہ حیدرآباد شہر میں کسی سڑک کا نام "مولانا گرامی روڈ" رکھنے کا حکم جاری کرے۔

راقم الحروف نے ان کی وفات پر مندرجۂ ذیل مادہ ہائے تاریخ لکھے ہیں:-

۱ــــــ سالِ انتقال آزاد ادیب مولانا گرامی مرحوم

۱۳۹۶ھ

۲ــــــ عالی جاہ، مولانا غلام محمد گرامی مرحوم

۱۹۷۶ء

یہ حقیر مضمون مولانا مرحوم پر کام کرنے والوں کے لیے مفید ثابت ہوگا۔

© rasailojaraid.com